OPEN ACCESS: Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities
ISSN (ONLINE): 2707-1219 & ISSN (PRINT): 2707-1200
http://www.arjish.com

اقبال اور شیمس ہینی کی فکری مماثلتیں

Intellectual Similarities of Iqbal and Seamus Heaney

Hafiz Gohar Mehmood
PhD Scholar, Riphah International University Faisalabad Campus.
Email: 6080.gohartunia@gmail.com

Dr. Muhammad Asif Awan
Professor Department of Urdu, Riphah International University Faisalabad Campus.

Received on: 09-01-2025 Accepted on: 10-02-2025

Abstract

This comparative study explores the intellectual and poetic parallels between Allama Iqbal, a seminal philosopher poet of the Muslim world, and Seamus Heaney, a Nobel laureate poet from Ireland. Though emerging from distinct linguistic, cultural, and historical backgrounds. Iqbal from colonial British India and Heaney from a politically divided, postcolonial Ireland both poets present a profound engagement with themes of identity, resistance, spirituality, and cultural memory. The research investigates how both poets respond to colonial oppression through a poetic reclamation of selfhood: Iqbal through his concept of khudi (selfhood) and Islamic revivalism, and Heaney through his evocation of Irish rural life, language, and history. Their poetry articulates a collective consciousness rooted in historical suffering, but striving towards liberation, human dignity, and cultural resilience. Both poets deploy language not merely as a vehicle of expression but as a tool of intellectual and political empowerment. Their works reflect a moral imagination that critiques sectarianism, social injustice, and intellectual stagnation. Through intertextual analysis of selected poems, the article highlights how Iqbal and Heaney converge in advocating ethical action, spiritual awakening, and universal values of justice, freedom, and brotherhood. This study thus positions Iqbal and Heaney as voices of conscience and poetic resistance within the broader landscape of postcolonial literature.

Keywords: Postcolonial poetry, khudi (selfhood), identity, colonial resistance, spiritual awakening, cultural memory, poetic resistance, intellectual freedom, universality, moral imagination, nationalism, language and power, human dignity, sectarianism, Irish history, Muslim revivalism, ethical action, literary comparison.

کلیدی الفاظ: مابعد نوآبادیاتی شاعری، خودی (خود پسندی)، شناخت، نوآبادیاتی مزاحمت، روحانی بیداری، ثقافتی یاد، شاعرانہ مزاحمت، فکری آزادی، آفاقیت، اخلاقی تخیل، قوم پرستی، زبان اور طاقت، انسانی وقار، فرقہ واریت، آئرش تاریخ، مسلم ادبی عمل، اجتماعی ادبیات۔

اقبال اور شیمس ہینی (Seamus Heaney) دو مختلف تہذیبوں، زبانوں اور ادوار سے تعلق رکھنے والے شاعر ہیں، لیکن ان کے افکار میں کئی ایسی گہری مماثلتیں پائی جاتی ہیں جو انسانی معاشرہ، تاریخ اور روحانی جستجو سے متعلق ہیں۔ دونوں شعرا نے اپنے مخصوص تاریخی

اور سماجی تناظر میں حیات، جدوجہد، آزادی، انسانی وجود اور اس کی بقا پر اظہار خیال کیا ہے۔

اقبال اور شیمس ہینی دونوں شعرا نے نوآبادیاتی نظام کے زیر اثر زندگی گزاری۔ اقبال نے برصغیر میں برطانوی راج کے جبر کو جھیلا اور اپنی شاعری میں مسلم امت کو بیدار کرنے کی کوشش کی۔ وہ غلامی کے خلاف ایک فکری بغاوت کے ترجمان تھے۔ شیمس ہینی کا آئرلینڈ بھی طویل عرصے تک انگلستان کے تسلط میں رہا، اور وہاں کی تاریخ پر سامراجی جبر اور تشدد نے گہرا اثر چھوڑا۔ اس طرح دونوں شعرا نے استعمار کے خلاف شعری سطح پر مزاحمت کی اور آزادی کی خواہش کو آواز دی۔

اقبال کی شاعری "خودی" کے تصور کے گرد گھومتی ہے جو فرد اور قوم کی شناخت کو بیدار کرنے کا ذریعہ ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان اپنی اصل پہچان کو پہچانیں اور اپنے ماضی سے رشتہ جوڑیں۔ شیمس ہینی نے بھی اپنی شاعری کے ذریعے آئرش شناخت کو نمایاں کیا، خاص طور پر آئرش زبان، دیہی زندگی اور تاریخ کو زندہ کرنے کی کوشش کی۔ ان دونوں شعرا کی شاعری میں قومی شعور اور تہذیبی ورثے کی جھلک واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔ دونوں شاعروں نے زبان کو صرف اظہار کا ذریعہ نہیں سمجھا بلکہ اسے ایک فکری اور ثقافتی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا۔ اقبال نے اردو اور فارسی میں فلسفیانہ اور انقلابی افکار کو شعری شکل دی، جبکہ ہینی نے انگریزی زبان میں آئرش روح کو زندہ رکھا۔ ان کی شاعری زبان کی طاقت، اس کے جادو اور اس کے ذریعے شعور بیدار کرنے کی کوششوں کی نمائندہ ہے۔

اقبال اور ہینی دونوں نے اپنے اپنے زمانے کے سماجی، سیاسی اور فکری حالات کا بھرپور تجزیہ کیا اور ان کا تخلیقی ردِ عمل شاعری کی صورت میں دیا۔ اقبال نے اسلامی احیاء اور فکری بیداری کو اپنا مقصد بنایا جبکہ ہینی نے آئرلینڈ کی تاریخ، فرقہ واریت اور تشدد کے تناظر میں انسانیت اور امن کا پیغام دیا۔ اگرچہ اقبال اور شیمس ہینی دو مختلف دنیاؤں کے شاعر ہیں، ان کے فکر و فن میں کئی مشترک پہلو موجود ہیں۔ ان کی شاعری تاریخ، زمین، شناخت، روحانیت اور زبان سے جڑے ہوئے موضوعات کو تخلیقی انداز میں پیش کرتی ہے۔ ان مماثلتوں کی بنیاد ان کے نوآبادیاتی تجربات، قومی شعور اور انسانی فطرت کی گہری سمجھ میں ہے، جو ان کے فن کو عالمی سطح پر قابلِ قدر بناتی ہے۔

اقبال کی شاعری تاریخ کے شعور سے لبریز ہے۔ وہ اسلامی تاریخ کو محض ماضی نہیں بلکہ حال و مستقبل کے لیے سبق اور تحریک کا سرچشمہ سمجھتے ہیں۔

ے سبق پھر پڑھ صداقت کا ، عدالت کا ، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا (۱)

اقبال یہاں قوم سے مخاطب ہیں کہ جس طرح پہلے مسلمان سچائی، انصاف اور بہادری جیسی صفات کے حامل تھے اب وقت آ گیا ہے کہ کارکنان قضاو قدر پھر تجھ سے دنیا کی سرداری کا کام لیں گے (انہوں نے دوسری قوموں کو سرداری دے کے دیکھ لی انہوں نے انسانوں کو راہ حق سے ہٹا کر راہ باطل پر ڈال دیا۔ اب حق کے بول بالا کے لئے مسلمان قوم سرداری اقوام کا فرض پھر تجھے سونپا جائے گا کیونکہ سوائے تیرے

حق کا زمانے میں کوئی علم بردار باقی نہیں ہے اور یہ بات تو مسلمان پہلے اقتدار میں ثابت کر چکا ہے)

شیمس ہینی نے آئرش تاریخ، خاص طور پر نوآبادیاتی تجربات، فرقہ وارانہ تشدد اور شناخت کے بحران کو اپنے کلام میں جگہ دی۔ان کی نظم "Requiem for the Croppies" آئرش بغاوت کی عکاسی کرتی ہے۔

The pockets of our greatcoats full of barley
No kitchens on the run, no striking camp
Until, on Vinegar Hill, the fatal conclave (۲)

ہینی تاریخ، جنگ، قربانی اور یادداشت کے گہرے تصورات کو بیان کرتے ہیں۔ شاعران سطروں میں ماضی کی جدوجہد، جنگ کے اثرات اور فطرت و تاریخ کے باہمی تعلق کو بڑی مہارت سے پیش کر رہا ہے۔(اوور کوٹ) عام طور پر فوجیوں کے موٹے، بھاری کوٹ ہوتے ہیں، جو جنگ کے دوران شدید موسم میں پہنے جاتے تھے۔"Full of barley"(جو سے بھری جیبیں) ممکنہ طور پر دو چیزوں کی علامت ہے ۔جنگ کے دوران زندہ رہنے کے لیے محفوظ کیا گیا اناج ، سپاہی جو (barley) ساتھ رکھتے تھے تاکہ خوراک کی قلت کے وقت اس سے کام لیا جا سکے۔ دوسرا یہ موت اور یادداشت کی ایک علامت ہے ، جو اکثر زمین میں اُگ کر دوبارہ زندہ ہو جاتا ہے، جیسے کسی کا بیج زمین میں دفن ہو اور نئی زندگی پیدا ہو۔ یہ مصرع ان سپاہیوں کی کہانی سناتا ہے جو اپنے ساتھ جو لے کر چلتے تھے، لیکن شاید وہ جو کھانے کے لیے نہیں، بلکہ ایک تاریخی اور علامتی بوجھ تھا۔ جنگ کے دوران سپاہیوں کے پاس پُر سکون کھانے پینے کا کوئی انتظام نہیں ہوتا تھا، وہ ہمیشہ حرکت میں رہتے تھے، بھاگتے تھے، پیچھے ہٹتے تھے یا اگلے معرکے کی طرف بڑھتے تھے۔ "No striking camp" وہ کبھی کسی جگہ ٹھہر نہیں سکتے تھے، ایک جگہ کیمپ لگانے اور اسے اکھاڑنے کی روایت یہاں موجود نہیں تھی۔ یہ ایک مسلسل بھاگ دوڑ اور غیر یقینی کی علامت ہے۔

اقبال اور شیمس ہینی دونوں کی شاعری میں "آفاقیت (Universality) " کے پہلو نمایاں طور پر موجود ہیں۔ اگرچہ دونوں مختلف ثقافتوں، زبانوں اور زمانوں سے تعلق رکھتے تھے، مگر ان کا کلام انسانی فطرت، روحانی تجربات، آزادی، انصاف اور پہچان جیسے ایسے آفاقی موضوعات کا احاطہ کرتا ہے جو ہر دور اور ہر قوم کے لیے اہم ہیں۔ اقبال کی شاعری میں اسلام کی روحانی تعلیمات کے ذریعے انسانیت کی بھلائی کی بات کی گئی ہے۔ وہ مذہب کو انسان کو خدا کے قریب لانے کا ذریعہ سمجھتے تھے نہ کہ تفریق کا۔ دونوں شعرا کی شاعری میں انسانیت (Humanity) اور اخوت (Brotherhood) کے روشن اور آفاقی پہلو موجود ہیں۔ ان دونوں شاعروں نے مختلف تاریخی، مذہبی اور جغرافیائی سیاق و سباق میں رہتے ہوئے ایسے خیالات پیش کیے جو صرف ان کی قوم یا خطے تک محدود نہیں، بلکہ پوری انسانیت کے لیے قابل عمل اور سبق آموز ہیں۔

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم ،وطن ہے ہندوستان ہمارا (۳)

یہ پیغام انسانوں کے درمیان ہم آہنگی اور محبت پر زور دیتا ہے جو آفاقی اہمیت رکھتا ہے۔اقبال کہتے ہیں کہ یاد رکھو مذہب آپس میں دشمنی کی دعوت نہیں دیتا۔ چونکہ یہ ایک ہی قوم و ملک سے ہیں اس لئے ان کے خون میں فساد نہیں بلکہ انسان دوستی ہے ۔اقبال کا پیغام صرف مسلمانوں تک محدود نہیں بلکہ وہ پوری انسانیت کی فلاح چاہتے تھے۔ان کے ہاں دین کا مقصد انسان کو انسان سے جوڑنا ہے نا کہ توڑنا۔

؎ افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا (۴)

یہ اشعار انسان کو فرد سے اُٹھا کر ملت اور پھر انسانیت کی سطح پر لے آتے ہیں۔ مثل مشہور ہے کہ "قطرہ قطرہ می شود دریا"یعنی ایک ایک قطرہ سے دریا بنتا ہے۔ عین اسی طرح ایک ایک شخص مل کر قوم تشکیل دیتا ہے۔ جس قوم کے افراد من حیث القوم محنتی، جفاکش، باہمت پر عزم اور فرض شناس ہوتے ہیں وہ قوم ترقی اور شہرت کی معراج پر ہوتی ہے۔ گویا ایک ایک فرد قوم اس کے مقدر کا ستارہ ہوتے ہیں۔ جس قوم کے افراد کند ذہن، پست ہمت، دروغ گو اور بد کردار ہوتے ہیں وہ قوم پستی اور تنزلی کی اتھاہ گہرائیوں میں گم ہو جاتی ہے۔ لہذا ہم اپنے اندر سچے مسلمان کے سے اوصاف پیدا کریں تاکہ ہماری قوم ترقی کی معراج پر پہنچے۔

اقبال امتِ مسلمہ کی زبوں حالی کی اصل وجہ ان کی عمل سے دوری سمجھتے ہیں اور مسلسل متحرک رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔اقبال سستی، جمود، اور کاہلی کے سخت خلاف تھے۔ان کے کلام میں بارہا مسلمانوں کو حرکت، عمل، جدوجہد اور خودی کے شعور کی تلقین کی گئی ہے۔ سستی و جمود کو وہ زوال کی علامت سمجھتے تھے۔اقبال نے سستی و جمود کی مذمت کی ان الفاظ میں کی ہے۔

؎ تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن ، فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند (۵)

اقبال کہتے ہیں کہ صرف بے جان اشیاء تقدیر کی پابند ہوتی ہیں،ایک سچا مومن خود حرکت و عمل سے اپنی تقدیر بدلتا ہے۔انسان نباتاتی یا جماداتی مخلوق نہیں ہے، خاص کر مومن تو احکام الٰہی کا پابند ہے اسے احکامات خداوندی کے مطابق ہی چلنا ہے خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو، اگر اس کا واسطہ نا خوشگوار حالات سے پڑ بھی جائے تو بھی وہ انہیں خدا کی رضا سمجھ کر قبول کر لیتا ہے۔ پس مومن تقدیر کس نہیں بلکہ احکامات الٰہی کا پابند ہوتا ہے ۔اور نامساعد حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرتا ہے۔

ہینی نے اپنے کلام میں نہ صرف ثقافتی شناخت، سماجی ناانصافی اور تاریخی جبر پر بات کی بلکہ عملی جدوجہد، مزاحمت اور انسانی ضمیر کی بیداری کا بھی درس دیا۔ وہ لفظوں کو محض شاعری کے لیے نہیں بلکہ اخلاقی عمل اور ذمہ داری کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

Between my finger and my thumb
The squat pen rests; I’ll dig with it(۶)

یہاں "dig" صرف زمین کھودنے کا استعارہ نہیں بلکہ ماضی کی تہوں میں جانا، سچ تلاش کرنا اور اسے ظاہر کرنا ہے، یہ ایک ایسا ادبی عمل ہے جو سماجی بیداری کا ذریعہ بنتا ہے۔ اگرچہ ہینی نے براہِ راست سیاسی تحریکوں میں حصہ نہیں لیا، مگر ان کا کلام ایک ادبی مزاحمت اور عملی بیداری کا استعارہ بن گیا، جو لوگوں کو جمود، خوف اور ظلم کے خلاف کھڑے ہونے کا پیغام دیتا ہے۔ ہینی کا ماننا تھا کہ شاعر صرف جمالیات کا قیدی نہیں بلکہ معاشرے کی روح کو بیدار کرنے والا عملی ضمیر ہے۔

"The poet is a double agent voice of the private self and conscience of the public."(۷)

یہی تصور کسی شخص کو ایک متحرک، فکری کارکن بناتا ہے۔ ہینی شاعر کو دوہرا نمائندہ یا "Double Agent" کہتے ہیں۔ جیسے کوئی دو دنیاؤں میں بیک وقت کام کرے۔ پہلا ذاتی زندگی اور دوسرا اجتماعی ضمیر۔ شاعر اپنے اندرونی جذبات، تجربات اور شعور کو بیان کرتا ہے (یعنی ذاتی پہلو)، اور دوسری طرف معاشرتی، سیاسی، اور اخلاقی سچائیوں کی نمائندگی کرتا ہے (یعنی عوامی ضمیر کا پہلو)۔ شاعر کی آواز خود اس کے اندر کے جذبات، احساسات اور تخیلات سے جڑی ہوتی ہے۔ یہ وہ پہلو ہے جہاں شاعر ی فرد کی روحانی و جمالیاتی پہچان کا اظہار کرتی ہے۔ شاعر صرف ذاتی معاملات کا ترجمان نہیں بلکہ وہ معاشرتی سچ، ظلم، سیاست، اخلاقیات جیسے مسائل پر بھی بات کرتا ہے۔ وہ لوگوں کو یاد دلاتا ہے کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط ہے۔ شاعر صرف فنکار نہیں بلکہ معاشرتی ذمہ داری کا حامل ہے۔ وہ اپنے الفاظ کے ذریعے نہ صرف خود کو سمجھتا ہے بلکہ دوسروں کی طرف آئینہ بھی رکھتا ہے۔ وہ حق گوئی اور تخلیقی صداقت کا نمائندہ ہے۔

اقبال کا مردِ مومن ایک ایسا کردار ہے جو اصولوں پر قائم رہتا ہے، حق گو ہوتا ہے اور کسی مصلحت یا خوف کے آگے نہیں جھکتا۔ سچائی، بہادری اور اخلاقی جرأت کو مردِ مومن کی بنیادی صفات کے طور پر پیش کیا گیا۔ درویش و خود آگاہ کو خواہ کتنی ہی تکالیف و مصائب کا سامنا کرنا پڑے وہ کبھی خوف و پریشانی میں مبتلا نہیں ہوتا اس کی وجہ یہی ہے کہ اس کا دل اس کی زبان کا ساتھ دیتا ہے۔ یعنی اس کے قول و عمل میں تضاد نہیں ہوتا ۔اس کا دل حق آشنا اور اس کی زبان حق گو ہوتی ہے۔ اقبال فرد اور قوم دونوں کے لیے غلامی کو اخلاقی پستی سمجھتے تھے اور استقلال کو زندگی کی اصل روح قرار دیا۔ اقبال نے قومی خودداری اور عزتِ نفس کو ایک زندہ قوم کی بنیاد قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک وہ قوم جو اپنی شناخت، وقار اور خودی کو کھودے، وہ قوم محکومی اور غلامی کی زنجیروں میں جکڑ جاتی ہے۔ اقبال کا پورا فلسفہ "خودی" کے گرد گھومتا ہے، جو فرد کی انفرادی شناخت کے ساتھ ساتھ پوری قوم کی خود مختاری اور عزتِ نفس کی علامت ہے۔ قومی خودداری کا مطلب صرف آزادی حاصل کرنا نہیں، بلکہ ذہنی اور فکری غلامی سے نجات پانا ہے۔

اقبال اور شیمس ہینی دونوں شعرا کے کلام میں عزم (Determination) اور حوصلہ (Courage/Resilience) کا پہلو نمایاں طور پر موجود ہے۔ دونوں شعرا نے اپنی قوم، انسانیت اور فرد کے لیے مایوسی کے مقابل حوصلے، جمود کے مقابل عزم اور ظلم کے مقابل ڈٹ جانے کا پیغام دیا۔ یہ پہلو ان کی شاعری کو محض جذباتی نہیں بلکہ فکری، روحانی اور عملی طاقت فراہم کرتے ہیں۔ جرأت اور حوصلہ دونوں ایسی صفات ہیں جو انسان کو اپنے حقوق کے لیے لڑنے، مشکلات کا مقابلہ کرنے اور اپنی تقدیر خود بنانے کی طاقت دیتی ہیں۔ اقبال اور

ہینی دونوں شعرا کے کلام میں یہ صفات نہایت اہمیت کی حامل ہیں اور بدرجہ تم موجود ہیں۔ دونوں شعرا نے اپنے اپنے انداز میں ان موضوعات پر روشنی ڈالی ہے۔ اقبال نے ہمیشہ جرأتِ رائے اور سچ بولنے کی طاقت کو انتہائی دی۔ وہ کسی بھی صورتحال میں حق کو سامنے لانے کی تلقین کرتے ہیں، چاہے اس کے نتائج کتنے بھی سنگین ہوں۔ اقبال کے ہاں خودی کی پرورش انسان کو مضبوط عزم و حوصلہ عطا کرتی ہے۔ ان کے فلسفے میں عزم، ارادہ اور ثابت قدمی کی بنیاد خودی ہے۔ اقبال کے نزدیک خودی انسان کی باطنی قوت، خود شعوری اور انفرادیت کا نام ہے۔ جو اگر بیدار ہو جائے تو انسان کو ایسا پختہ عزم عطا کرتی ہے کہ وہ تقدیر کو بھی بدلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اقبال کا پیغام ہے کہ جب انسان اپنی خودی پہچانتا ہے، تو اس کے اندر پختہ عزم، استقلال اور مسلسل جدوجہد کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

؎ یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں (۸)

خودی وہ جذبہ ہے جو انسان کو یقین، عمل اور عزم کی تربیت دیتا ہے۔ اقبال اسے کامیابی کا اصل ہتھیار قرار دیتے ہیں۔ یہاں انسان کو اپنی قسمت کا خالق خود بننے کی دعوت دی گئی ہے، جو مضبوط ارادے کے بغیر ممکن نہیں۔ تین چیزیں یعنی اللہ پر اور اپنے مقصد پر مکمل ایمان اور ان کے حصول کے لئے مسلسل تگ و دو اور جہان کو فتح کرنے والا محبت کا جذبہ، زندگی کے مقدس جہاد میں لڑنے والا طاقت وروں کی وہ تلواریں ہیں جن سے زندگی کے جہان کو فتح کیا جا سکتا ہے۔ یعنی زندگی میں کامیابی و کامرانی حاصل کی جا سکتی ہے۔

اسی طرح ہینی نے خود تشدد کا دور دیکھا، مگر ان کی شاعری مایوسی کے بجائے حوصلہ دیتی ہے۔

Walk on air against your better judgment. (۹)

یہ جملہ خطرات کے باوجود ہمت اور بلند حوصلگی کے ساتھ چلنے کی علامت ہے۔ ہینی نے ذاتی تجربات سے لے کر قومی مسائل تک میں ہمیشہ جرأت مندانہ موقف اختیار کیا۔ اس کی شاعری میں دکھوں کے باوجود حوصلہ اور چیلنجز کا سامنا کرنے کی ہمت دکھائی دیتی ہے۔ یہ مصرع ہمیں دعوت دیتا ہے کہ زمین سے جڑے رہتے ہوئے بلند نظری اپنائی جائے۔ احتیاط کو عبور کر کے تخیل اور آزادی کے تجربے کیے جائیں۔ یہ ہینی کے شاعرانہ فلسفے کی ایک نمائندہ مثال ہے، جہاں وہ "in-betweenness" یعنی حقیقت اور خواب کے درمیان , معمول کی سختی اور مقصد کی نرمی کے بیچ توازن قائم کرتے ہیں۔ جس میں شاعری کا اصل مقام ہوتا ہے۔

اقبال نے ہمیشہ فرد کی انفرادی جدوجہد کی اہمیت پر زور دیا، لیکن ان کے کلام میں اجتماعی جدوجہد کی بھی اہمیت بدرجہ تم موجود ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان فکری اور سماجی طور پر ترقی کریں، مگر اس ترقی کے لیے انہیں ایک اجتماعی جدوجہد میں حصہ لینا ہوگا۔

؎ فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں (۱۰)

یعنی ایک فرد اس وقت باعزت، مؤثر اور مضبوط ہوتا ہے جب وہ اپنی قوم، ملت یا جماعت سے جڑا ہوا ہو۔ وہ اپنی شناخت، طاقت، کردار اور مقام تبھی حاصل کرتا ہے جب وہ اجتماعی نظام کا حصہ ہو۔ اگر فرد قوم سے کٹ جائے اور صرف اپنے مفاد میں جینے لگے، یا قوم کی فلاح کا حصہ نہ بنے، تو اس کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ پانی کی موج (لہر) اس وقت تک طاقتور اور مضبوط رہتی ہے جب تک وہ دریا میں ہو، جیسے ہی دریا سے نکلے گی ختم ہو جائے گی۔ اس کی اہمیت اسکی طاقت زائل ہو جائے گی۔ ایسے ہی فرد بھی قوم سے کٹ جائے تو اس کی قوت، اثر، اور وجود باقی نہیں رہتا اور اپنی اہمیت کھو بیٹھتا ہے۔

اقبال کا ماننا تھا کہ زندگی کی حقیقت صرف جدوجہد میں ہے، اور وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ انسان کو اپنے مقصد کے حصول کے لیے کبھی ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔ ہینی کی شاعری میں جدوجہد کا تعلق سماجی، ثقافتی اور تاریخی سطح پر تھا، جہاں انسان ماضی اور حال سے جڑ کر اپنے آپ کو ایک بہتر معاشرتی حقیقت کے لیے تیار کرتا ہے۔ اقبال کی شاعری میں جدوجہد کا تصور زیادہ تر روحانی اور فکری سطح پر تھا، جہاں انسان کو اپنی خودی کو بلند کرنے اور مادی و روحانی ترقی کے لیے مسلسل کوشش کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ دونوں شعرا کے کلام میں جدوجہد کے ذریعے انسان کی ترقی اور آزادی کی بات کی گئی ہے، تاہم ان کے فلسفے اور نقطہ نظر میں ثقافت اور مقصد کا فرق ہے۔

اقبال نے اپنے کلام میں یہ بات واضح کی کہ استعمار نے نہ صرف مادی وسائل بلکہ ثقافت اور تاریخ کو بھی لوٹا۔ ان کا ماننا تھا کہ استعمار نے مسلمانوں کو ذہنی طور پر غلام بنا دیا تھا اور ان کی فکری آزادی چھین لی۔ اقبال نے اس بات پر زور دیا کہ مسلم قوم کو مادی اور فکری آزادی حاصل کرنے کے لئے انتھک محنت کرنا ہو گی تاکہ وہ دوبارہ اپنے قدموں پر کھڑی ہو سکے۔ اقبال نے استعمار کے زیر اثر آنے والے قوموں کی حالت کو بیان کیا ہے، اور یہ بتایا ہے کہ استعمار نے قوموں کا نہ صرف مادی طور پر استحصال کیا بلکہ ان کی فکری آزادی کو بھی سلب کیا۔ اقبال کی شاعری میں اس استحصال کے خلاف کھل کر مزاحمت کی گئی ہے، اور مسلمانوں کو اپنی خودی (self) کو بلند کرنے کی دعوت دی ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قوموں کی کامیابی یا ناکامی کے اصول پہلے ہی متعین کر دیے ہیں۔ یہ اصول ازلی، غیر متبدل اور عادلانہ ہیں۔ اللہ کسی قوم کو صرف دعا یا تمنّا سے سربلند نہیں کرتا، بلکہ اُس کی حالت اُس وقت بدلتا ہے جب وہ خود محنت، خودی، قربانی اور بیداری کا راستہ اختیار کرے۔ ان کے مطابق "غلام" کا مطلب صرف سیاسی یا جسمانی غلامی نہیں، بلکہ فکری، ذہنی اور روحانی غلامی بھی ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ وہ قومیں جو دوسروں کی تقلید میں لگ گئیں، اپنی شناخت کھو بیٹھیں، جن قوموں نے غیرت چھوڑ دی وہ تباہ و برباد ہو گئیں۔

ہینی نے آئرلینڈ میں نو آبادیاتی مظالم کے خلاف مزاحمت کی ضرورت پر زور دیا اور آئرش قوم کو اپنے حقوق کے لیے لڑنے کی دعوت دی۔ ان کے خیال میں آئرلینڈ کو اپنے تاریخی ورثے اور خود مختاری کو دوبارہ حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرنا ہو گی۔ اس ضمن میں انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے قوم کو جگانے کی کوشش کی اور استعمار کے ہتھکنڈوں سے آگاہ کیا۔ ہینی ماضی کے تجربات کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں اور اس بات پر زور دیتے ہیں کہ استعمار نے جو نقصان آئرلینڈ کو پہنچایا تھا، اس سے سبق لے کر آئرش قوم کو اپنی آزادی کے لیے مزید جدوجہد کرنا

ہو گی۔اقبال اور شیمس ہینی دونوں کے کلام میں نوآبادیاتی استحصال کی مذمت کی گئی ہے، لیکن ان دونوں کے پس منظر اور تجربات مختلف ہیں۔اقبال کی شاعری میں نوآبادیاتی استحصال کا زیادہ زور مغربی استعمار، خصوصاً برطانوی سلطنت، کے خلاف ہے اور ان کا پیغام مسلمانوں کو اپنی خودی اور فکری آزادی کو بلند کرنے کی ترغیب دینا تھا تاکہ وہ استعمار کے اثرات سے باہر نکل سکیں۔ہینی کی شاعری میں نوآبادیاتی استحصال کا معاملہ آئرلینڈ کے برطانوی استعمار کے حوالے سے ہے، اور وہ آئرش قوم کو اپنی ثقافت اور تاریخ کو دوبارہ زندہ کرنے کی ترغیب دیتے ہیں تاکہ وہ استعمار سے نجات حاصل کر سکیں۔

ہینی کا پس منظر ایک مذہبی اور سیاسی طور پر تقسیم شدہ آئرلینڈ سے جڑا ہوا ہے، جہاں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کشمکش اور برطانوی نوآبادیاتی اثرات نے فرد کی سوچ، تعلیم اور اظہار پر گہرے اثرات ڈالے۔ہینی کی شاعری میں ان خارجی جکڑ بندیوں سے آزاد ذہن کی اہمیت کو بار بار اجاگر کیا گیا ہے۔

Whatever you say, say nothing.(۱۱)

یہ اشعار آئرلینڈ کے اس ماحول کی طرف اشارہ کرتے ہے جہاں سچ بولنا خطرناک تھا اور بیانیے پر کنٹرول تھا۔ہینی ان الفاظ کے ذریعے اس دباؤ پر تنقید کرتے ہیں جو ذہنی آزادی کو سلب کر دیتا ہے۔ شمالی آئرلینڈ کے مذہبی، سیاسی اور لسانی تشدد (The Troubles) کے تناظر میں لکھی گئی ہے، جب کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں کے درمیان شدید خونریزی، منافرت اور خوف کا ماحول تھا۔ہینی نے اُس اجتماعی خاموشی، منافقت اور ثقافتی دباؤ کو بیان کیا ہے جو شمالی آئرلینڈ کے لوگوں پر طاری تھا، اس پورے معاشرتی رویے کا نچوڑ ہے۔یعنی ایسا ماحول جہاں سچ بولنے سے جان کو خطرہ تھا، اس لیے لوگ بچاؤ کی خاطر بات کرنے کے باوجود کچھ نہیں کہتے۔ہینی کا اسلوب یہاں طنز، مشاہدہ اور فکری پیچیدگی سے بھرپور ہے۔لوگ مذہب پر بات کرنے سے گھبراتے ہیں، حالانکہ پوری کشمکش مذہب کی بنیاد پر ہے۔یہ جملہ طنز اور منافقت کو ظاہر کرتا ہے۔ہینی کے مطابق لوگ قتل و غارت کو معمول کی بات سمجھ کر اس پر لب کشائی نہیں کرتے۔یہ ایک cultural conditioning کی علامت ہے جہاں تشدد روزمرہ کی زندگی کا حصہ بن چکا تھا۔ہینی اس نظم میں ایک اخلاقی کشمکش سے بھی دوچار ہے ۔کہ کیا شاعر کو سچ بولنا چاہیے؟ یا خاموش رہنا چاہیے؟وہ خود کو double agent قرار دیتا ہے۔ایک طرف ذاتی ضمیر اور دوسری طرف اجتماعی توقعات۔

ہینی فرد کو مایوسی، جبر اور خوف کے اندھیروں سے نکال کر امید، آزادی اور فکری خودمختاری کی طرف لے جاتے ہیں۔شیمس ہینی کے کلام میں فکری و ذہنی آزادی نہ صرف ایک ادبی موضوع ہے بلکہ ایک اخلاقی اور شعوری پیغام بھی ہے۔ان کے ہاں آزاد سوچ کا احترام، سچائی سے وفاداری، جبر، روایت سے انحراف اور انسانی خودمختاری کا احترامیہ سب ذہنی آزادی کی علامتیں ہیں۔ہینی کی شاعری قاری کو دعوت دیتی ہے کہ وہ سماجی، سیاسی اور فکری جکڑ بندیوں سے نکل کر اپنے شعور کی روشنی میں سوچے، سمجھے اور بولے۔

اقبال کے ہاں فکری و ذہنی آزادی ایک نہایت اہم اور بنیادی تصور ہے۔وہ اس بات کے شدید قائل تھے کہ انسان کی ترقی اور کمال کا راستہ

آزادانہ فکر اور اجتہاد سے ہو کر گزرتا ہے۔ اقبال کے نزدیک وہ معاشرے جو جمود، تقلیدِ محض اور غلامی کے شکار ہو جائیں، ان کا زوال ناگزیر ہوتا ہے۔ اقبال نے فکرِ آزادی کو انسانی خودی کے ارتقاء میں مرکزی حیثیت دی۔ اقبال انسان کو ہمیشہ نئی جہتوں کی تلاش، نئی سوچ اور نئی دنیا کی جستجو پر اُکساتے ہیں۔ ان کے مطابق، آزاد فکر ہی انسان کو "خودی" کے ادراک تک پہنچا سکتی ہے۔ اقبال نے "ذہنی غلامی" کی سب سے خطرناک شکل غلامی کو قرار دیا۔ ان کے نزدیک جب کوئی قوم صرف ماضی کی تقلید پر اکتفا کرنے لگتی ہے، یا مغربی افکار کی اندھی پیروی کرتی ہے، تو اس کی تخلیقی صلاحیتیں زوال کا شکار ہو جاتی ہیں۔ یہاں اقبال عقل (reason) کے محدود دائرے سے نکل کر دل و نگاہ (وجدان، بصیرت) کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو آزاد فکر کے بغیر بیکار ہو جاتے ہیں۔ اقبال نے اسلامی فکر میں اجتہاد کی ضرورت پر زور دیا تاکہ دین کو جامد تقلید کے دائرے سے نکال کر عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق ڈھالا جا سکے۔ ان کی مشہور تقریر "اجتہاد " (خطباتِ اقبال) میں وہ اسلامی قانون کی دوبارہ تخلیق اور تشریح کی بات کرتے ہیں۔ اقبال مغرب کی سائنسی ترقی اور عقلی فکر کو سراہتے ہیں، لیکن محض تقلید کے قائل نہیں۔ ان کے نزدیک ہمیں مغربی فکر سے سبق لینا چاہیے، مگر اپنی روحانی و تہذیبی اقدار کو بھی زندہ رکھنا چاہیے۔

آئر لینڈ میں نوآبادیاتی عمل کو ہوا دینے والے مذہبی تنازعات نے انگلینڈ کی جانب سے آئر لینڈ پر کنٹرول بڑھانے اور وہاں پروٹسٹنٹ ازم کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ مذہبی اختلافات زیادہ تر کیتھولک اور پروٹسٹنٹ مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان تھے، جو بعد میں سیاسی اور سماجی تنازعات کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ انگلینڈ نے ان مذہبی تنازعات کو آئر لینڈ پر نوآبادیاتی تسلط قائم کرنے کے لیے ایک اہم حربے کے طور پر استعمال کیا۔ کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے درمیان مذہبی اختلافات نے حالات کو مزید بگاڑ دیا، جس کی وجہ سے انگلینڈ نے آئر لینڈ میں اپنے نظریات کو مسلط کرنے کی کوشش کی۔ آئر لینڈ کی سیاسی پیچیدگیاں زیادہ تر مذہبی اختلافات کی وجہ سے بھی تھیں۔ انگلینڈ کی پروٹسٹنٹ مذہبی روایات اور آئر لینڈ کے کیتھولک عقائد میں واضح فرق نے نوآبادیاتی طاقت کے لیے ایک بنیاد فراہم کی۔ ثقافتی اور مذہبی اختلافات کے لحاظ سے آئر لینڈ میں زیادہ تر لوگ کیتھولک تھے، جب کہ انگلینڈ میں پروٹسٹنٹزم کا اثر بڑھ رہا تھا۔ مذہبی اختلافات نے انگلینڈ کو آئر لینڈ پر کنٹرول کے لیے ایک اور جواز فراہم کیا، خاص طور پر ۱۷ویں صدی کے بعد جب انگلینڈ نے پروٹسٹنٹ آبادکاروں کو آئر لینڈ میں آباد کرنے کی کوشش کی تاکہ کیتھولک اکثریت کا اثر کم کیا جا سکے۔

ہینی کے دور میں آئر لینڈ شدید مذہبی تنازع (خاص طور پر کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کے درمیان) کا شکار تھا۔ ہینی نے اپنے کلام میں ان مذہبی کشمکشوں سے جنم لینے والے تشدد، نفرت اور تقسیم کے خلاف شدید ردعمل ظاہر کیا اور امن، معافی، اور بین المذاہب ہم آہنگی کی وکالت کی۔

Smoke signals are loud mouthed compared with us
maneuverings to find out name and school,
subterfuge and mistrust.(۱۲)

یہاں ہینی طنزاً بتاتے ہیں کہ مذہب کی بنیاد پر شناخت کرنا اور لوگوں کو بانٹنا کس قدر تباہ کن عمل ہے۔ یہ اشعار شمالی آئر لینڈ کے سیاسی اور مذہبی

تناؤ، خاص طور پر فرقہ وارانہ تشدد (sectarian conflict) کی عکاسی کرتے ہیں، جہاں لوگ اپنی رائے ظاہر کرنے سے ڈرتے تھے۔"Smoke signals are loud mouthed compared with us:" دھوئیں کے اشارے (جو عام طور پر پرانے زمانے میں رابطے کے لیے استعمال ہوتے تھے) بھی ہم سے زیادہ صاف گو ہیں۔ یعنی ہم اتنے محتاط اور خاموش ہو گئے ہیں کہ اشاروں کنایوں میں بھی بولنے سے ڈرتے ہیں۔"Maneuverings to find out name and school" لوگ ایک دوسرے کا نام اور اسکول (School) جاننے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ اندازہ لگا سکیں کہ وہ کیتھولک ہے یا پروٹسٹنٹ۔ کیونکہ آئرلینڈ میں اسکول اکثر فرقہ وار بنیادوں پر چلتے تھے۔"Subterfuge and mistrust" چالاکی، دھوکہ اور بے اعتمادی عام ہو گئی تھی۔ لوگ اپنے اصل خیالات یا شناخت کو چھپاتے تھے، کیونکہ غلط پہچان جان لیوا ہو سکتی ہے۔ ہینی بتا رہا ہے کہ آئرلینڈ کا معاشرہ خوف، خاموشی اور شناخت کے بحران کا شکار ہیں۔ لوگ آزادانہ گفتگو یا اظہارِ رائے نہیں کر سکتے کیونکہ انہیں اپنی جان، عزت یا تعلقات کا خطرہ لاحق ہے۔

اقبال نے مذہب کو انسان کی روحانی اور اخلاقی ترقی کا ذریعہ سمجھا اور ہمیشہ بین المذاہب رواداری اور اخوتِ انسانی کی تلقین کی۔ وہ فرقہ واریت، تنگ نظری اور مذہب کے نام پر نفرت پھیلانے کے سخت مخالف تھے۔ ان کے مطابق سچا مذہب انسان کو نفرت نہیں بلکہ محبت سکھاتا ہے۔

؎ فرقہ بندی ہے کہیں، اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟(۱۳)

اقبال واضح کرتے ہیں کہ فرقہ پرستی انسان کو زوال کی طرف لے جاتی ہے اور اس سے مذہب کی اصل روح ختم ہو جاتی ہے۔ اقبال اس شعر میں سماجی تقسیم، مذہبی فرقہ واریت اور نسلی امتیاز پر تنقید کر رہے ہیں۔ اقبال کہتا ہے کہ دنیا میں کہیں فرقے ہیں، مذہب کے نام پر تقسیم اور کہیں ذات پات کا نظام ہے. یعنی نسل، خاندانی یا طبقاتی تعصب۔ اقبال سوال اٹھاتے ہیں کہ کیا واقعی یہی نظریات اور تفریقیں انسانیت کو ترقی دینے والی ہیں؟ نہیں ان کا مقصد ہے کہ ان تمام تنگ نظریوں اور تفریقوں کو ختم کر کے انسانیت، اتحاد اور اخوت کو فروغ دینا چاہیے۔ اقبال مذہب کی اصل روح یعنی محبت، اخوت اور ہم آہنگی کو اجاگر کرتے ہیں اور مذہب کے نام پر تفرقہ بازی کی مذمت کرتے ہیں۔

اقبال کا تصورِ معاشی ترقی نہ صرف مادی ترقی تک محدود تھا بلکہ وہ اسے ایک روحانی اور اخلاقی ترقی کے ساتھ جوڑتے تھے۔ اقبال کے مطابق کسی بھی قوم کی حقیقی ترقی روحانی اور اخلاقی ترقی میں چھپی ہوتی ہے، اور اگر ان دونوں پہلوؤں پر توجہ دی جائے تو معاشی ترقی خود بخود حاصل ہو سکتی ہے۔

- اقبال نے ہمیشہ اس بات پر زور دیا کہ ایک قوم کو خود مختار ہونا چاہیے تاکہ وہ معاشی طور پر بھی مضبوط ہو سکے۔ ان کے نزدیک، خود داری اور خود کفالت کسی بھی قوم کی معاشی ترقی کا اہم جزو ہیں۔

- اقبال کے نزدیک معاشی ترقی کا صرف ایک مادی نقطہ نظر پر تکیہ نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ روحانیت اور اخلاقی تربیت کی بھی ضرورت ہے۔ان کے مطابق، اگر کسی قوم کی اخلاقی حالت بہتر ہو تو اس قوم کی معاشی حالت بھی بہتر ہو سکتی ہے۔
- اقبال نے ہمیشہ تعلیم اور محنت کی اہمیت پر زور دیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ ایک قوم کی ترقی کا دارومدار اس کی تعلیمی ترقی اور محنتی لوگوں پر ہوتا ہے۔
- اقبال کا ماننا تھا کہ اگر ہم اپنے آپ کو صحیح معنوں میں سمجھیں اور اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں تو ہم معاشی ترقی کے نئے دروازے کھول سکتے ہیں۔

شیمس ہینی کا کلام عموماً آئرلینڈ کے معاشی، سماجی اور سیاسی حالات کی عکاسی کرتا ہے، جہاں مذہبی اور ثقافتی مسائل کے ساتھ ساتھ معاشی مشکلات بھی اہم موضوعات تھے۔ہینی نے اپنے کلام میں معاشی ترقی کے حوالے سے محنت، طبقاتی فرق اور مذہبی و سیاسی تقسیم کے اثرات پر غور کیا ہے۔ہینی نے اپنے کلام میں آئرلینڈ کے طبقاتی فرق اور غربت کا بار بار ذکر کیا ہے۔وہ سمجھتے تھے کہ معاشی ترقی صرف مذہبی یا سیاسی مسائل کو حل کرنے سے ممکن نہیں، بلکہ معاشی انصاف کے قیام کی بھی ضرورت ہے۔انہوں نے معاشرتی تبدیلی کے لیے ایک نیا نظریہ پیش کیا جس میں مساوات اور انصاف کی اہمیت تھی۔ہینی کے کلام میں آئرلینڈ کے معاشی بحران اور غربت کی حقیقت کو سچائی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ معاشی ترقی کا دارومدار صرف سماجی انصاف اور مساوات پر ہے۔ہینی کی نظم "The Strand at Lough Beg" میں آئرلینڈ کے ماضی اور موجودہ سماجی و اقتصادی حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے وہ اس بات کو اجاگر کرتے ہیں کہ اگر معاشی مسائل کا حل نہ نکالا جائے، تو معاشرتی اور سیاسی استحکام قائم نہیں ہو سکتا۔ہینی نے اپنی نظم "The Turnip Snedder" میں محنت کی عظمت کو سراہا۔انہوں نے اس کردار کو جو سخت محنت کر رہا تھا، معاشی ترقی کی ایک علامت کے طور پر پیش کیا۔ہینی نے قدرتی وسائل اور ان کے صحیح استعمال کی اہمیت پر بھی زور دیا ہے۔ان کے مطابق اگر قدرتی وسائل کو احتیاط سے استعمال کیا جائے تو وہ کسی قوم کے لیے معاشی خوشحالی کا سبب بن سکتے ہیں۔

اقبال اور شیمس ہینی دونوں نے معاشی ترقی پر مختلف زاویوں سے گفتگو کی ہے: دونوں نے معاشی ترقی کے لیے محنت اور خود مختاری کی اہمیت پر زور دیا۔اقبال نے جہاں خودی اور تعلیم کی اہمیت پر زور دیا، وہاں ہینی نے طبقاتی فرق اور غربت کے مسئلے کو حل کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ہینی نے خاص طور پر معاشی انصاف اور سماجی مساوات کی ضرورت پر زور دیا، جب کہ اقبال نے روحانیت اور اخلاقی ترقی کو معاشی ترقی کا ذریعہ سمجھا۔اقبال نے معاشی ترقی کو روحانیت اور اخلاقی ترقی کے ساتھ جوڑا، جب کہ ہینی نے سماجی تبدیلی اور طبقاتی فرق کے حل کی ضرورت کو زیادہ اہمیت دی۔اقبال کے کلام میں معاشی ترقی کا مرکز خودی، تعلیم اور روحانیت ہے، جبکہ ہینی کے کلام میں طبقاتی فرق، معاشی انصاف اور غربت کا خاتمہ معاشی ترقی کے لیے اہمیت رکھتا ہے۔دونوں کے کلام میں معاشی ترقی کو صرف مادی یا ظاہری ترقی نہیں بلکہ اخلاقی اور معاشرتی تبدیلی کے ذریعے دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اقبال نے اپنی شاعری میں مردِ مومن (یعنی وہ شخص جو اپنے ایمان اور عقیدہ میں مستحکم ہو) کو ایک متحرک، خود مختار اور مستقل مزاج شخصیت کے طور پر پیش کیا۔ ان کے نزدیک مردِ مومن ایک ایسا شخص ہوتا ہے جو روحانی قوت، علم، خود اعتمادی اور ایمان کی طاقت سے سرشار ہوتا ہے۔ اقبال کے نزدیک مردِ مومن کا سب سے اہم وصف خود اعتمادی ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ مرد مومن کو اپنے اندر کی طاقت اور صلاحیتوں پر یقین ہوتا ہے۔ یہاں اقبال نے مردِ مومن کی خود اعتمادی اور خودداری کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ اقبال کے مطابق مردِ مومن کا ایمان نہ صرف اللہ کے ساتھ بلکہ اپنے عمل، محنت اور جدوجہد میں بھی مستحکم ہوتا ہے۔ لہذا۔ مردِ مومن اپنے مقصد کی طرف ہمیشہ متحرک رہتا ہے اور اپنی جدوجہد کو کبھی نہیں چھوڑتا۔ اقبال کے مردِ مومن میں ایک تغیر پذیر شخصیت ہوتی ہے جو اپنے حالات کے مطابق خود کو ڈھال لیتا ہے اور ہر محاذ پر کامیابی کی طرف بڑھتا ہے۔ اقبال کے نزدیک مرد مجاہد وہ شخص ہوتا ہے جو نظریاتی جنگ لڑتا ہے، خواہ وہ مذہبی ہو یا سماجی۔ اس کا دل محبت اور جذبے سے بھرا ہوتا ہے۔ مرد مجاہد ایک فکری جنگجو ہوتا ہے جو سماج میں نیاپن لانے کے لیے لڑتا ہے۔

شیمس ہینی کی شاعری میں بھی انسان کی جدوجہد مرد مجاہد کی خصوصیات میں شامل ہیں، مگر ان کا نقطہ نظر زیادہ سماجی اور ثقافتی مسائل کے تناظر میں تھا۔ ہینی نے آئرلینڈ کی سیاسی آزادی، مذہبی جدوجہد اور سماجی انصاف کے لیے لڑنے والوں کو مرد مجاہد اور مرد مومن کے طور پر پیش کیا۔ ہینی نے اپنے کلام میں مرد مجاہد کو ایک ایسا شخص دکھایا جو سماجی انصاف کے لیے لڑتا ہے۔ ان کے نزدیک مردِ مجاہد وہ شخص ہوتا ہے جو غریب اور محروم طبقوں کے حقوق کی جنگ لڑتا ہے۔ The cost of a full life is paying it all ہینی کا مطلب ہے کہ ایک حقیقی مرد مجاہد کو اپنے مقصد کے لیے سب کچھ قربان کرنا پڑتا ہے۔ ہینی نے مردِ مجاہد کی تصویر میں ایسا شخص دکھایا ہے جو اپنے عزم اور جذبے کے ساتھ صحیح راستے پر چلتا ہے، حالات چاہے کیسے بھی ہوں۔ ہینی کا مطلب ہے کہ مرد مجاہد کے پاس نہ صرف ماضی کی سچائیاں ہوتی ہیں بلکہ وہ ان سے مستقبل کے لیے سبق حاصل کرتا ہے۔ ہینی کے مردِ مجاہد کی جدوجہد غصے یا انتقام سے نہیں بلکہ پرامن طریقے سے ہوتی ہے۔ ہینی کا کہنا ہے کہ مرد مجاہد اپنی شاعری اور الفاظ کے ذریعے لوگوں کو سچ بتاتا ہے اور ان کی جدوجہد کو ظاہر کرتا ہے۔ شیمس ہینی نے مرد مومن کے طور پر وہ شخص دکھایا ہے جو روحانیت اور اخلاقی طاقت سے جڑا ہوتا ہے۔ اس کا ایمان انسانی وقار اور حریت کے اصولوں پر ہوتا ہے۔ ہینی کے کلام میں مرد مومن کی شجاعت اور نیک نیتی کی اہمیت ہے۔

اقبال اور ہینی کے فلسفے میں بنیادی اختلافات پر بات کریں تو اقبال کا فلسفہ اسلام کی بنیاد پر تھا اور وہ مسلمانوں کے روحانی اور اخلاقی ارتقاء کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے۔

- ہینی کا کلام مذہبی مسائل کے بجائے سماجی اور ثقافتی مسائل پر مرکوز تھا۔ ہینی نے آئرلینڈ کے مذہبی اختلافات کی بات کی لیکن ان کا مقصد زیادہ سیاسی اور سماجی آزادی تھا۔
- اقبال نے اپنے کلام میں روحانی جدوجہد اور خودسازی پر زور دیا، جب کہ ہینی نے سیاسی جدوجہد اور سماجی انصاف کی اہمیت پر زور دیا۔

- اقبال کا مقصد اسلامی اتحاد اور روحانی ترقی تھا، جب کہ ہینی کا مقصد آئرش قوم کی سیاسی آزادی اور سماجی انصاف تھا۔
- اقبال کا نظریہ مذہبی خودداری اور روحانی قوت کے ذریعے فرد اور قوم کی ترقی تھا۔
- ہینی کا نظریہ سماجی اور سیاسی حقیقت پر مبنی تھا، جو مذہبی اور سماجی مسائل کے حل کے لیے سیاسی عمل کی ضرورت کو اجاگر کرتا ہے۔

لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اقبال اور شیمس ہینی دونوں نے انسانوں کی فلاح و بہبود اور ترقی کے لیے شاعری کی، مگر ان کے مقاصد، فکری پس منظر اور نظریات میں نمایاں اختلافات تھے۔ اقبال نے روحانیت، اسلامی اتحاد اور خودداری پر زور دیا، جب کہ ہینی نے سماجی انصاف، ثقافتی ورثہ اور سیاسی آزادی پر زور دیا۔ ان دونوں کے فلسفے کی نوعیت اور ان کے مقاصد مختلف ہونے کے باوجود دونوں نے انسانی اقدار اور انصاف کی اہمیت پر زور دیا۔

حوالہ جات

References

1۔ Yusuf Misali (Mutarjim): "Kulliyat-e-Iqbal", Muhammad Iqbal, Taya Printers, Lahore, 2017, safha 497.

2۔ Seamus Heaney, "Death of a Naturalist" Faber & Faber,London,1966, page 82

3۔ Yusuf Misali (Mutarjim): "Kulliyat-e-Iqbal", Muhammad Iqbal, Taya Printers, Lahore, 2017, safha .136

4۔ Muhammad Iqbal, "Kulliyat-e-Iqbal (Urdu)," Maktaba Jamal, Lahore, 2012, safha 1092.

5۔ Muhammad Iqbal, "Kulliyat-e-Iqbal," Usman Publishers, Lahore, 2019, safha 99.

6۔ Heaney, Seamus, "Death of a Naturalist" Faber & Faber,London,1966, page 6

7۔ Heaney, Seamus, "The Government of the Tongue, Selected Prose 1978–1987" Faber & Faber, London, 1988, p. 107.

8۔ Yusuf Misali (Mutarjim): "Kulliyat-e-Iqbal", Muhammad Iqbal, Taya Printers, Lahore, 2017, safha 501

9۔ Seamus Heaney, "Crediting Poetry, Nobel Lecture" Nobel Foundation, Stockholm, 1995, p 18.

10۔ Muhammad Iqbal, "Kulliyat-e-Iqbal (Urdu)," Maktaba Jamal, Lahore, 2012, safha 1092.

11۔ Seamus Heaney, "North" Faber & Faber,London,1975, p. 70

12۔ Seamus Heaney, "North" Faber & Faber,London,1975, p. 57

13۔ Muhammad Iqbal, "Kulliyat-e-Iqbal (Urdu)," Maktaba Jamal, Lahore, 2012, safha 354.